ڈاکٹر سید فہیم اقبال (فہیم شناس)
اسسٹنٹ پروفیسر، نگران شعبہ اُردو
ایس ایم آرٹس اینڈ کامرس کالج نمبر ا
شاہراہِ کمال اتاترک، کراچی

اکیسویں صدی: عزیز حامد مدنی اور اردو ادب

(عزیز حامد مدنی نے کہا تھا کہ وہ جدید عہد کو سائنس اور ٹیکنالوجی کے بغیر سوچ بھی نہیں سکتے)

The essays "Muqaddima Sher o Shairi" and "Sher ul-Ajam" that were published in Nerang e Khayal can be taken as exemplars of a Western attack on the Eastern world. Even though Hali and Shibli have benefitted from the views of eastern writers and thinkers in these works, they have not applied these ideas or made use of them in analysing the new forms and attitudes that were then emerging in literature. In this article, the researcher argues that Aziz Hamid Madani has contributed to the field of literary criticism by drawing on both the eastern as well as the western tradition. The researcher argues that Aziz Hamid Madani has shown the attitude of dismissing classical works that is common among new age writers as being contradictory in nature. The researcher believes that Aziz Hamid Madani, while accepting the western critical tradition as a valid source of knowledge, has still not become westernised or been influenced to the point of dismissing the traditions that are one's own. The researcher would like to prove in this article that Aziz Hamid Madani, despite having extensively studied these modern theories, has managed to bring the modern and classical trends together in a way that beautifully combines them and shows their connections and continuities.

علوم شرقیہ پر مغربی اثرات فورٹ ولیم کالج کے قیام ۱۸۰۰ء سے ہی شروع ہو گئے تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے ملازمین کے لئے عربی، فارسی اور سنسکرت کی دلچسپ کتابوں کو منتخب کیا اور ان کے ترجمے کرائے۔ یہ ترجمے سیاسی وسماجی اور علمی و ادبی مسائل سے متعلق تھے۔ یہاں یہ نقطہ غور طلب ہے کہ کمپنی نے اپنے ملازمین کے لئے دلچسپ کہانیاں ترجمہ کرائیں تو کیونکر؟ اس کیونکر کے سیاق ہی میں وہ تمام سیاسی محرکات مضمر ہیں جن کے اثرات غالب کے عہد میں ظاہر ہوئے۔ فورٹ ولیم کے بعد دہلی کالج، اور دہلی کالج کے بعد انجمن پنجاب نے ان محرکات کو ہندوستان

کے عوام پر افشا کر دیا۔ اسی وجہ سے انجمن پنجاب کے پلیٹ فارم سے اٹھنے والی تحریک کے خلاف ہندوستان بھر میں شوروغل ہوا۔ یہاں تک بیان کیے گئے سب ادوار عزیز حامد کی اصطلاح میں عہد فرنگ ہے، جس کا انہوں نے اپنی تنقیدی کتاب جدید اردو شاعری میں بار بار ذکر کیا ہے۔ انگریزوں نے پوری دنیا پر جبر و استبداد کی بدولت اپنی سلطنت کے جھنڈے گاڑے مگر ہر جگہ انہوں نے ایک ہی تدبیر سے کام نہیں لیا۔ ہندوستان پر انہوں نے اولاً تجارت کا روپ دھارا اور پھر یہاں کی دلچسپ داستانوں میں اپنی کامیابیوں کے رستے تلاش کیے۔ انگریزوں نے ایک طرف عربی و فارسی جاننے والے ادبا شعرا اور ہندو کائستھوں سے قدیم داستانوں کے ترجمے کروائے۔ اور دوسری طرف انگریزی زبان میں لکھی گئی ادق کتابیں اردو میں ترجمہ کرائیں۔ یہ دونوں کام انگریزوں نے ہندوستانیوں ہی سے لئے۔ اس طرح ان کی علمی دھاک ہندوستانیوں کے دلوں پر بٹھائی گئی کہ تم لوگ ہنوز کہانیوں میں پھنسے ہوئے ہو جب کہ یورپ ستاروں پر کمندیں ڈال چکا ہے۔ اس قسم کے خیال و خواب کے فروغ کے کام اردو کے ارکان خمسہ نے بخوبی انجام دیے۔ ڈپٹی نذیر اور سرسید، شبلی، حالی اور آزاد، یعنی ارکانِ خمسہ نے عہد فرنگ کو اپنی سی پیہم کوشش سے قید فرنگ بنا ڈالا۔

ہندوستانیوں پر عہدِ فرنگ میں علمی و ادبی بلکہ سماجی ثقافتی اور ان سے بڑھ کر سیاسی اثرات بہت زیادہ مرتسم ہوئے۔ جو ہنوز غیر مختتم ہیں۔ عزیز حامد مدنی نے عہد فرنگِ کی اصطلاح تو خوب وضع کی ہے مگر اسے واضح نہیں کیا۔ جدید اردو ادب کا آغاز عہدِ فرنگ ہی میں ہوا۔ مگر کیسے؛ یا تو اس کا آغاز انجمنِ پنجاب سے ہوا یا پھر مقدمہ شعرو شاعری سے۔ انجمن پنجاب سے نئی قسم کی شاعری اور مقدمہ شعرو شاعری سے نئی قسم کی تنقید اور اگر افسانے کی طرف آئیں تو راشد الخیری اور منشی پریم چند سے نئی قسم کے افسانوں کا آغاز ہوا۔ عزیز حامد مدنی نے جدید اردو شاعری میں دیگر اصناف ادب سے قطع نظر صرف اردو شاعری پر تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔ جدید اردو شاعری میں بھی انہوں نے صرف ترقی پسند شاعری ہی کو اپنی تنقید کا موضوع بنایا ہے۔ جدید اردو شاعری کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ عزیز حامد مدنی ترقی پسندوں سے بے حد متاثر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مارکس اور اینگلز کے نظریات ان کی تنقید میں جا بجا نظر آتے ہیں۔ مگر ان نظریات کے پہلو بہ پہلو عزیز حامد مدنی صاحب آئیڈیلزم، ڈاڈازم، سرئیلزم، وجودیت اور فرائیڈین افکار پر بھی گفتگو کرتے دکھائی دیتے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عزیز حامد مدنی نئے خیالات و نظریات کو شعرو ادب کا حصہ بنانے کے حد درجہ خواہاں ہیں۔

نئے خیالات و نظریات کی مغرب سے آمد فورٹ ولیم کالج کے قیام ہی سے شروع ہو چکی تھی۔ ضرور تھا کہ اس

مغربی یلغار کا ردِعمل ہوتا ۔ جب یہ ردعمل شدت اختیار کر گیا ۔ تو سرسید نے ایک سیاسی سماجی نظریہ وضع کیا ۔ اور مسلمانوں کو مغربی علوم وفنون کی طرف متوجہ کرنے کی سعی کی ۔ اس کی مساعی کے نتیجہ میں آزاد، حالی اور شبلی مغربی ادب کی طرف متوجہ ہوئے، نیرنگِ خیال کے مضامین، مقدمہ شعرو شاعری اور شعرو العجم مغربی یلغار ہی کے نتیجہ میں منظر عام پر آئیں ۔ دیکھا جائے تو یہ مشرق کی مغرب سے پہلی آشنائی ہے ۔ مقدمہ شعرو شاعری اور شعر العجم میں مغربی ادوباء شعراور مفکرین کے حوالے جا بجا ملتے ہیں ۔ مثلاً شیکسپیئر، دانتے، گولڈ اسمتھ، سروالٹر اسکاٹ، ملٹن، بائرن وغیرہ کے تنقیدی خیالات ونظریات ہی کی روشنی میں شبلی و حالی نے اپنی تنقیدات کو مزین کیا، اگرچہ مشرقی مفکرین اور ادباء شعراء کے تنقیدی نظریات سے بھی کام لیا گیا ہے مگر ان سے جدید شعروادب سے متعلق نکات اخذ نہیں کئے گئے ۔

مشرقی علوم سے بیزاری اور مغربی علوم کی طرف رغبت نے جہاں بہت سے مشرقی علوم وفنون کو موت کی گھاٹ اتار دیا وہیں مشرقی تنقید جو تذکروں میں نظر آتی تھی اس کا بھی قلع قمع کر دیا ۔ اس سے بڑا نقصان ہوا ۔ مغربی اندازِ نقد سے مرعوبیت کے سبب اردو میں تنقید نے ایک نیا رخ تو لیا لیکن اس نئے رخ میں بجائے دلکشی کے خشکی اور بنجر پن نے ظہور پایا ۔ ایسا نہیں تھا کہ مغربی تنقید میں دلکشی اور گہرائی نہیں تھی وجہ یہ ہوئی کہ اردو کے جن ادباء شعرا نے مغربی تنقید کو سینے سے لگایا انہوں نے مغربی تنقید کا غائر مطالعہ نہ کیا تھا ۔ سطحی مطالعے کو وہ اردو فن پاروں کے تجزیاتی مطالعے میں بروئے کار لاتے رہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اردو تنقید پر مغربی یلغار کے نتیجے میں وسعت و گہرائی اور فیصلہ نظر نہیں آتا ۔ ضروری ہے کہ جس تنقیدی رویے کو جب بروئے کار لایا جائے تو اس کی مخصوص اصطلاحات اور نظریہ کی سمجھ بوجھ حاصل ہو اگر ایسا نہیں ہوگا تو ناقد آلاتِ تنقید کو فن پارے پر غلط طور استعمال کرے گا ۔ عزیز حامد مدنی کی تخلیق اور تنقید دونوں میں یہ بات نظر آتی ہے کہ وہ یکسر مشرقی علوم و روایات سے منہ نہیں موڑتے بلکہ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ اپنی اقدار و روایات کے ساتھ ساتھ دنیا میں مسلسل تبدیلی کی طرف بھی دھیان ہونا چاہئے یعنی مشرق و مغرب دونوں کے بدلتے منظر نامے پر نظریں ہوں ۔ اس طرح بہترین علم وادب تخلیق پائے گا ۔

مشرقی ادبیات سے بیزاری اور مغربی ادبیات کے رعب و داب کو اردو کے کلاسیکی نقادوں نے بھی اس وقت شدت سے محسوس کیا تھا ۔ جب اردو ادب مغربی ادب سے روز و شب خوشہ چینی کرنے کو اپنی سعادت سمجھتا تھا ۔ ڈاکٹر وزیر آغا، سید عابد علی عابد کے حوالے سے لکھتے ہیں:

یوں تو انیسویں صدی کے اواخر ہی میں مغربی تہذیب کے سیلاب نے مشرقی تہذیب وتمدن کی اقدار

کو بہت بدل دیا تھا۔لیکن بیسویں صدی کے آغاز میں کچھ ایسے عوامل رونما ہوئے کہ ہم لوگ فارسی اور عربی کی علمی اور ادبی میراث سے بیگانہ ہوگئے ۔ہم نے فرض کرلیا کہ مغرب میں جو اصولِ انتقادِ ادبیات رائج ہیں ۔انہیں سے کام لے کر اردو کی ہر ادبی تخلیق کو پرکھا اور جانچا جاسکتا ہے ۔معانی، بیان، بدیع اور عروض کا مطالعہ ناسودمند قرار دیا گیا۔اور رفتہ رفتہ یہ عالم ہوگیا کہ نئی پود ان علوم کی ان اصطلاحات سے نہ صرف ناواقف ہوگئی بلکہ اکثر و بیشتر اس بات سے بھی آگاہ نہ رہی کہ اور اصطلاحات کون کون سی ہیں۔[1]

جدید اردو شاعری میں عزیز حامد مدنی اسی بات پر کڑھتے ہیں کہ جدید شعرا تازہ حسیت کو گلے لگانے کے جوشِ میں قدیم اقدار سے اپنا ناطہ توڑ لیتے ہیں ،اور روایتی شاعر جدید خیالات و احساسات سے کوئی رشتہ قائم نہیں کرنا چاہتے ۔یہ دوطرف تضاد ہے۔عزیز حامد مدنؔی چاہتے ہیں کہ شاعر کو مستقبل کی طرف بڑھتے دیکھتے، کچھ کہتے ہوئے، ماضی کو فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ حالانکہ عزیز حامد مدنی ترقی پسند شاعر اور مارکسی نقاد تھے، اور مارکسیوں کے ہاں ماضی کی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ اور بات ہے جن ترقی پسندوں نے اردو کے کلاسیکی ادب کے خلاف نعرے لگائے اور اسے نذرِ آتش کرنا چاہا تو انہوں نے ہی سویرا ہونے اور آنکھیں کھلنے پر کلاسیک کی طرف توجہ دیا اور قدیم فنون کو مرتب کیا۔ عزیز حامد مدنؔی کے پاس یہ عصری آگہی بدرجہ آتم موجود تھی ۔ وہ ترقی پسند تھے مگر وہ متعصب اور مشتعل طبیعت نہیں رکھتے تھے۔ بیسویں صدی میں رہتے ہوئے وہ انیسویں صدی کو بالکل اس نظر سے دیکھ رہے تھے ۔جس نظر سے اکیسویں صدی کو۔عہد مغلیہ، عہد فرنگ، عہد غلاماں، جیسی اصطلاحات کے پیچھے کیا کوئی سیاسی وسماجی وعمرانی اور معاشی شعور نہیں، بالکل ہے۔عزیز حامد مدنؔی نے ان اصطلاحات ہی کے تحت جدید اردو ادب اور جدید اردو شاعری کا جائزہ لینے کی سعی کی ہے ۔ چنانچہ وہ مدنی لکھتے ہیں :۔

> معاشرے کے ان تغیرات میں تخلیقی فن پاروں کی طرف آتے ہوئے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ انیسویں اور بیسویں صدی کے یورپی تجربات جو اقبال کے عہد سے آج تک ہمارے یہاں اثر انداز ہوتے رہے، کیا ہیں؟اور ہمارے معاشرے کی کن ضرورتوں کی وجہ سے قبول کیے گئے ہیں.....مشرق کے ادب کا مطالعہ کرنے والے مستشرقین جن میں انگلستان، جرمنی، کینیڈا اور امریکہ میں اردو ادب جاننے والے بھی ہیں ۔ہمارے جدید ادب کو صوری لحاظ سے ہمارے مستند اصناف سخن کی قافیہ بند شاعری سے الگ دیکھ کر اور معنوی لحاظ سے تصوف، ویدانتک اور فکر اسلامی کے دائرہ سے باہر دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتے ہیں۔ ہمارے جدید ادب کی پرکھ میں ان کے محنت سے کیے ہوئے کلاسیکی ادب کا مطالعہ حائل ہوجاتا ہے۔ ہمارے معاشرے کے تغیرات

اور بدلے ہوئے مزاج ادب کو وہ ایک صدی کی تبدیلی کی روشنی میں نہیں دیکھ پاتے۔[۲]

اس اقتباس سے یہ بات عیاں ہے کہ عزیز حامد مدنی اردو شاعری کا تجزیہ فقط اس زاویے سے نہیں کرتے کہ اس پر مغربی یورپی خیالات و تجربات کے اثرات کس قدر پڑے ہیں اور اردو ادب اور شاعری نے ان اثرات کو کہاں تک قبول کیا ہے اور کیوں۔ دیگر ناقدین کی طرح عزیز حامد مدنی بھی ایسا کر سکتے تھے کہ وہ اپنے مقالات میں جدا گانہ تنقیدی شعور کو بروئے کار لاتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا، انہوں نے ہر دو طرف توجہ دی۔ وہ اردو ادب و شاعری کو صرف ساٹھ ہی کی دہائی میں نہیں دیکھ رہے تھے بلکہ ساٹھ سال کی پچھلی دہائیاں اور ساٹھ سال سے اگلی دہائیاں بھی اُن کے پیش نظر تھیں۔ جس کا ثبوت جدید اردو شاعری کے صفحات سے بہ آسانی مل جاتا ہے۔ یہ کہنا کہ عزیز حامد مدنی کے خیالات ساٹھ (۶۰) کی دہائی ہی میں جدید سے جدید تر تھے کچھ کلام رکھتا ہے۔ یعنی اس جدیدیت سے مراد کیا تھی۔ اگر اس سے یہ مراد تھی کہ ماقبل کے خیالات و احساسات نے مدنی کے شعر میں جگہ نہیں پائی یا یہ مراد تھی کہ عزیز حامد مدنی نے قصداً روایت (اسلوبیاتی نکتہ نظر سے) سے انحراف برتا تو یہ دونوں باتیں ان کی شاعری پر صادق نہیں آتیں۔ عزیز حامد مدنی ان دونوں کے بیچ میں کھڑے ہیں۔ وہ لمحہ بہ لمحہ ۱۸۵۷ء سے پہلے اور بعد کی اردو شاعری کی نئی آوازوں کو بھی سنتے ہیں اور اکیسویں صدی کی جدت طرازیوں کی بازگشت سے بھی اپنے کانوں میں رس گھولتے ہیں۔ مغرب کے کثیر مطالعے اور جا بجا اس کے حوالے سے مدنی کو مغرب زدہ نہیں کہا جا سکتا۔ یہ کہنا کچھ غلط نہ ہوگا کہ عزیز حامد مدنی اور ن۔م راشد کی طبیعتیں قدرے ایک سانچے میں ڈھلی ہوئیں تھیں۔ مدنی جہاں امریکہ، کینیڈا، انگلستان، فرانس کی نئی ہواؤں کا تذکرہ کرتے ہیں وہیں گزشتہ لکھنؤ، دہلی، علی گڑھ، بمبئی، فرخ آباد اور فیض آباد کو یاد کرتے ہیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہوا نہیں کلاسیک ہی میں اکیسویں صدی کی عظمتیں نظر آتی تھیں۔ اس نقطہ نظر سے اگر دیکھا جائے تو اُن کی تنقید میں مقصدیت بھی نظر آتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

> انگریزوں کے سوداگری کے عہد کے بعد ان کے اقتدار کی منزل سراج الدولہ، ٹیپو، لکھنو اور آخرِ کار (۱۸۵۷ء) کی شکست کے بعد تکمیل کو پہنچی۔ بہر کیف جو بوڑھے گلوں سے نئی آوازیں اردو میں آئیں ان کا بنیادی مقصد ایک بکھرتے ہوئے شیرازے کو از سر نو نئے ماحول میں ایک مثبت فکر کی طرف راغب کرنا تھا۔ معاشرے کی ٹھوس حقیقتوں کو اجاگر کرنا تھا۔ مختلف شعبوں میں فکر کا نیا پیمانہ وہ تھا جو اجنبی حکمران باہر سے لائے تھے۔ آمد و رفت کے نئے طریقے ریل، تار گھر، ڈاک، شہر کی تازہ کاری، جو میر تقی میر کے مشاہدے میں بھی آئی۔ جب وہ دلی سے لکھنؤ آئے۔ انتظام میں مشورت کی ضرورت، یہ

ساری چیزیں سامنے آئی تھیں ۔ان تمام خارجی ذریعوں سے جو ایک نوع کی ذہنی پسپائی کے دور میں آئیں، ایک نئی سوچ پیدا ہوئی کہ ہم پھر سنبھل سکتے ہیں۔[۳]

بوڑھے گلوں سے نئی آوازیں، بکھرے شیرازے کو مثبت فکر کی طرف راغب کرنا، ٹھوس حقیقتوں کو اجاگر کرنا، فکر کے نئے پیمانے، آمدورفت کے نئے طریقے ریل، تار گھر، ڈاک، ریلوے، یہ جملے عزیز حامد مدنی کی تاریخی تنقیدی شعور کی خبر دیتے ہیں ۔یعنی ان جملوں میں انیسویں(۱۹) صدی میں بیسویں(۲۰) اور اکیسویں(۲۱) صدی کی عظمتوں کی خبر ہے۔ بوڑھے گلوں سے نئی آوازیں اس جملے میں روایت اور جدیدیت کے وسیع منظر نامہ پوشیدہ ہے۔ یعنی عزیز حامد مدنی صاحب انیسویں صدی میں بیسویں اور اکیسویں صدی کے جدید شعر و ادب کی بو باس سونگھ رہے تھے۔ یہ باتیں گہرے مطالعے کے بغیر گرفت میں نہیں آ سکتیں ۔کہ عزیز حامد مدنؔی اردو شعر و ادب کو ماضی اور مستقبل ہر دو جہت میں لے کر چلتے تھے اور لے کر چلنے کے خواہاں تھے اور بکھرے شیرازے کی مثبت فکر کی طرف راغب کرتے تھے۔لکھنؤ یا دہلی کے تعیّش پسند معاشرے میں بھی مثبت فکر ڈھونڈ نکالنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ۔ یہ سب آئینے عزیز حامد مدنی کے پیش نظر تھے۔مغرب کے گہرے مطالعے کے با وصف اردو کے کلاسک شعر و ادب کو گلے لگائے رکھنا اور اس میں سے آنے والے وقت کے لیے بلندیاں تلاش کر لینا۔عزیز حامد مدنی کے گہرے تنقیدی شعور کے شاہد ہیں ۔

عزیز حامد مدنؔی نے اپنی تنقید میں اٹھارویں ، انیسویں اور بیسویں صدی کے اردو ادب و شعر کا تجزیہ پیش کیا ہے ۔کیونکہ یہ جائزہ تین صدیوں کے ، شعر و ادب کا ہے ۔جس میں انہوں نے کسی خاص تنقیدی رویے سے کام نہیں لیا۔یہ نہیں کہہ سکتے کہ جدید اردو شاعری کا جائزہ مدنی صاحب نے فلاں ادبی تنقید کی عینک لگا کر لیا ہے ۔ مختلف ابواب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے مختلف زاویہ ہائے نظر سے کام لیا ہے ۔اور ان زاویوں میں مارکسی زاویہ دیگر سے زیادہ متحرک و حاوی ہے ۔اس کی ایک وجہ تو یہ ہوسکتی ہے کہ وہ مدنی عصر رواں اور مقامیت کو کافی نہیں سمجھتے تھے بلکہ ایک وقت ، مقام اور ادبی وارادات کو صحیح طور پر سمجھنے کے بیچ ایک آڑ ،ایک کوہِ گراں خیال کرتے تھے ۔روایت اور شعر و ادب کا سلسلہ یک لخت شروع نہیں ہوجاتا ۔ یہ ایک دھارا ہے جس کی ابتداء کی خبر نہیں ہوتی ۔ادب کو ایک وقت اور ایک مقام کا پابند کر دینا، ایک نیا سلسلہ ایک نئی روایت کو جنم دینا ہوتا ہے، یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ بلکہ یہ ممکن ہی نہیں ۔عزیز حامد مدنؔی نے خود کو اسی سلسلۂ شعر و ادب میں رکھا اور اس کا حصہ بن کر تین صدیوں کے تہذیبی انتشار کے تناظر میں آنے والی صدی کے لئے شعر و ادب اردو کو نئے استعارے دیئے اور نئے

زاویوں، نئے رخوں کو نشان زد کیا، نئے الفاظ اور نئے تشبیہات دیں۔لمحہ بہ لمحہ نئی دریافتوں کو سمجھنا، پرکھنا، ان سے آئندہ کے لئے نتائج اخذ کرنا اُن کے مزاج کا خاصّہ تھا۔ وہ خیالات کو نئی دریافتوں اور نئے سلسلوں سے مزین رکھتے تھے۔انہیں اس بات کا شعور تھا، کہ وقت ہر لحظہ بدل رہا ہے۔انسان آگے سے آگے ایک خاص حدود میں بڑھ رہا ہے ۔ نئے علوم وفنون نئے طور واطوار آئینہ زندگی میں اپنا عکس دکھا رہے ہیں۔اسی کی بنا پر عزیز حامد مدنؔی کی شاعری اور تنقید اردو ادب وشعر کے کلاسیک سے شروع ہوتی ہے مگر اس کا اختتام انیسویں یا بیسویں صدی میں نہیں ہوتا بلکہ آنے والی تمام صدیوں میں بھی اس کا اختتام نظر نہیں آتا۔انہیں لازمانی شاعر تو نہیں کہا جا سکتا لیکن ان کے خیالات میں جدید سے جدید تر کی نمائندگی ضرور ہوتی ہے۔ بقول احمد ندیم قاسمی:

جب بھی دیکھا ہے تجھے عالمِ نو دیکھا ہے
مرحلہ طے نہ ہوا تیری شناسائی کا

ایک عالم نو کے بعد ایک اور عالم نو کی دید اُن کے ذوق وشوق کو بڑھاتی ہے اور نئی دریافتیں نئے مشاہدے، دنیا میں ہونے والی سیاسی وسماجی وثقافتی تبدیلیاں، نئی سے نئی بات، عزیز حامد مدنی کے ذوق وشوق میں ہر لحہ مزید اضافے کا باعث رہتی ہیں۔ جدید اردو شاعری، پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر انور سدید رقم طراز ہیں:

> جدید اردو شاعری۔عزیز حامد مدنی کی پوری زندگی کے مطالعے کا حاصل ہے۔ یہ کتاب ان کے مطالعے کے وسیع مدار کو ہی روشن نہیں کرتی بلکہ اس حقیقت کی غماز بھی ہے کہ مدنی صاحب کو علوم نو اور سائنسی ایجادات کے علاوہ نئے تصورات اور خیالات سے آگہی، ان کے تجزیے اور پھر ان سے اپنے مطالب اخذ کرنے کا گہرا شوق تھا اور وہ اپنا مطالعہ ہمیشہ اپ ٹو ڈیٹ رکھتے تھے۔[۴]

بڑا ذہن اور بڑے دل والا آدمی اپنے آپ کو، اپنے خیالات واحساسات کو ہمیشہ اپ ٹو ڈیٹ رکھتا ہے۔ وہ ایک جگہ پا بہ گلِ نہیں ہوتا۔ ذوق وشوق کو ہوا دینے والی ہر بات کو اپنے اندرون میں پس انداز کرتا رہتا ہے اور پھر بوقت ضرورت اسے استعمال میں لاتا ہے۔عزیز حامد مدنؔی کی زندگی اس قسم کے کھیل سے عبارت تھی۔ بقول اقبال:

نکلنے والے نکل گئے
جو ٹھہرے ذرا کچل گئے

(بانگ درا)

جو نئی دنیاؤں، نئی کائناتوں کی تلاش میں نکلنے والوں کے ساتھ رہنے والے ہیں وہ زندہ و پائندہ رہتے ہیں۔

لیکن اس کے ساتھ ضروری ہے وہ جس جس راستے سے گزریں، وہاں اپنے نقش پا چھوڑتے چلے جائیں تا کہ روایت سے سلسلہ جڑا رہے ۔عزیز حامد مدنؔی کی جدید حسیت ، آ گہی، عصری شعور سے یہی مراد ہے کہ ادیب و شاعر کو اپنے وقت کے تناظر میں دیگر سبق و ماسبق دقتوں کو سمجھنا چاہئے ۔جمیل الدین عالؔی حرف چند کے تحت لکھتے ہیں:۔

''مدنی ایک نہایت کثیر المطالعہ ادیب تھے ۔ بیک وقت قدیم و جدید بھی.....کبھی سکہ بند ترقی پسندوں میں بھی شمار کیے جاتے تھے، لیکن غیر ترقی پسند حلقوں اور تحریروں سے بھی نا وابستہ نہیں رہتے تھے ۔ وہ سب جو ایک ناقد کو جاننا چاہیے، جانتے تھے۔''[۵]

عزیز حامد مدنی کے متعلق اس قسم کی آرا تقریباً سبھی ناقدین فن نے دی ہیں ۔سبھی کا جائزہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ وہ نت نئے خیالات نئی دریافتوں سے اخذ کرتے تھے، اور انہیں بڑے انوکھے پن سے شعر و ادب کی زینت بنا دیتے تھے، قمر جمیل لکھتے ہیں:

وہ کہتے ہیں ادب سطحی نہیں ہوتا، یہ روز نامچہ نہیں ہے۔ آدمی کی حکایت خونچکاں ہے۔ دیکھیے ادب کو وہ سیدھی سادی داستان نہیں سمجھتے اسے وہ آدمی کی حکایت خونچکاں کہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ آج ہماری زندگی پر معاشیات اور سیاسیات کا دباؤ بہت بڑھ گیا ہے ۔ وہ ارتقاء کا ذکر بار بار کرتے ہیں ان کے لئے زندگی ہزاروں دروازوں کی ایک بھول بھلّیاں ہے جس میں صرف ارتقا ہی راستہ دکھاتا ہے ان کی زبان پر راڈار، راکٹ ،کوبالٹ ریز کا ذکر رہتا ہے، ان کی نگاہ اساطیر سے لے کر جدید عہد کی سائنسی لیبارٹری تک چکر لگاتی رہتی ہے لیکن ان سب کا ذکر انہوں نے بڑے شاعرانہ انداز میں کیا ہے۔[۶]

صدیوں سے جاری ایجادات کے سلسلے نے بیسویں صدی میں ایک بڑی جست لگائی ایسی جست کہ جس نے اس بے کراں ارض و سما کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ انسان زمین کی حدوں سے نکل گیا ۔ مادّی ترقی نے دنیا کو ایک حیرت انگیز کشمکش میں مبتلا کر دیا۔ ایک شے کو لوگ سمجھے نہیں کہ دوسری شے ان کے رو برو منہ چڑھانے لگی۔ اوروں کی مانند عزیز حامد مدنؔی بھی ان نو با نو تبدیلیوں کو دیکھ رہے تھے لطف اندوز ہو رہے تھے مگر وہ ان مادّی صورتوں کے عقب میں مابعد الطبیعاتی صورتوں کے جنم کو بھی دیکھ رہے تھے۔ سر آئینہ کچھ اور ہے پس آئینہ کچھ اور ہے، اسی کچھ اور ہے میں عزیز حامد مدنی صاحبؔ کی زندگی گزری۔ ڈاکٹر شرف الدین ساحل لکھتے ہیں:۔

مدنؔی کی شاعری مطالعہ، مشاہدہ اور معرفت عصر کی شاعری ہے، اس میں تازگی، عِنائی، اور توانائی ہے ۔ ایک فلسفی اور صوفی کی کیفیت ہے ۔ عاشق نامراد کی بے چینی ہے۔ کائناتی رشتوں کی دریافت ہے۔

تہذیبی روایت کی پاسداری ہے۔ مادی ترقیات کے نتائج کی نشاندہی ہے، عقلیت و رومانیت کے مابین جاری کشمکش اور ذہنی کیفیات کا تصادم ہے۔ عصری اندیشوں، نیم تاریکیوں اور مجروح روشنیوں کی رَو سے خلق ہونے والے جذبات ہیں، مستقبل میں ہونے والے زبردست ایٹمی دھماکے کا خوف ہے جو اس ارضی کائنات کو نیست و نابود کر کے رکھ دے گا۔ مدنی کے لہجے میں خلوص اور ذمہ داری کا احساس ہے دردمندی اور اپنائیت ہے۔ یہی وہ خوبی ہے جو ان کی شاعری کا حقیقی جوہر ہے۔ [۷]

۲۱ویں صدی کے تناظر میں عزیز حامد مدنی کی تخلیقات کا تجزیہ کرنے سے عجب انکشافات ہوتے ہیں۔ ان کی نظموں میں بین السطور موجود آنے والے وقت کے وہ تمام خدشات موجود ہیں، جنہیں آج ہم دیکھ رہے ہیں۔ اُن کی نظر دور بین تھی؟ یہ ایک جملۂ معترضہ ہوسکتا ہے لیکن اگر تاریخی انداز نقد سے کام لیا جائے تو اس عقدۂ مشکل کو کھولا جاسکتا ہے۔ عزیز حامد مدنی کے کلام میں جس قدر تنوّع واقع ہوا ہے اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ مدنی نے اپنے کلام کے لئے خطۂ ناگپور یا رائے پور ہی سے مواد اکٹھا نہیں کیا پہلے ہندوستان پھر تقسیم ہندوستان، پھر پاکستان، پھر انگلستان، پھر امریکہ کی سیاحت نے ان کی آنکھوں کو نت نئی روشنیوں سے چمکا دیا۔ شمیم احمد اُن کی فکر سے متعلق لکھتے ہیں:

> وہ بنیادی طور پر مغرب کی نئی علمی جہتوں، نئے سائنسی اور معاشی تصورات اور جدید انقلاب، شہری تمدن اور انسانیت کی تاریخ کے سب سے نئے روشن اور ترقی یافتہ باب کی نعمتوں کے پورے وجود کے نہ صرف قائل بلکہ اسے انسانیت کے لیے ایک رحمت خیال کرتے آئے ہیں۔ [۸]

اور یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ انسانیت کو جس قدر فوائد اکیسویں (۲۱) صدی میں حاصل ہوئے اس سے پچھلی صدیوں میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ یہ بات الگ ہے کہ فوائد کے ساتھ ساتھ نقصانات سے بھی بہت ہوئے۔ عزیز حامد مدنی کی فکر، سوچ، خیال، طبیعت سب نئے زمانوں کی متلاشی تھے۔ مگر ان کی نظر دونوں جہتوں فوائد اور نقصانات پر تھی۔ اور جب ہر طرف نئی نئی تبدیلیاں، نئی نئی ایجادات، نئی نئی تحاریک، نئے نئے نظریے سر اٹھانے لگے تو بات سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اُن کے کلام میں روایت اور جدیدیت کے انہی عناصر کی وجہ سے لوگوں نے انہیں گمنامی میں دھکیلنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ تو اپنا کام کر چکے تھے۔ اُن کی طاقتِ فکر و خیال دیکھیے کہ ایک ہلکے سے بھونچال سے اس نے خود کو آشکارا کر دیا۔ یہ طاقتِ فکر و خیال ۲۰ویں اور ۲۱ویں صدی کے افکار خیالات سے معمور اور مزین تھی۔ جب روایت میں جدیدیت کے اثرات جذب ہونے لگیں تو انہیں جدا جدا کر کے سمجھنا یا اکٹھے سمجھنا، از بس مشکل ہو جاتا ہے۔ پروفیسر سحر انصاری لکھتے ہیں:

مدنی کی مکمل تفہیم کے لئے دور بینی اور خرد بینی ہر دو قسم کے مطالعے کی ضرورت ہے۔ مدنی کی شاعری کی ایک جہت نہیں ہے۔ جسے رومانیت، جدیدیت، انقلابیت، انفرادیت، مستقبلیت یا اسی قسم کے کسی ایک لیبل سے زیر کرلیا جائے۔ ان کی شاعری میں یہ اور دیگر بہت سے اجزاء فکر و شعور، جذب و احساس کی روح کے ساتھ شامل ہیں۔ اب ایسی شاعری کے ضمن میں دو ہی ردعمل ہو سکتے ہیں یا تو اس کے بطن بطون تک پہنچنے کی سعی کی جائے یا یہ کہہ کر اپنی بے بضاعتی کو چھپایا جائے کہ اس میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔[۹]

واقعی جب بات سمجھ میں نہ آئے تو یہی کہا جاتا ہے کہ اس میں کچھ بھی نہیں۔ غالب کے اشعار اس کے دور میں سمجھ نہیں آتے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نئے شعور و فکر نے ان کی تفسیر و تشریح کر دی۔ عزیز حامد مدنی ایسے شاعروں کو ایک عہد میں سمجھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ ایک نہج پر سوچتے چلے جانا انہیں پسند نہیں ہوتا۔ وہ جس قدر جدید ہوتے ہیں اسی قدر روایت سے اپنے رشتے کو مضبوط بناتے چلے جاتے ہیں۔ انگریزی الفاظ کے استعمال کے ساتھ ساتھ فارسی کی نئی نئی تراکیب کی تراشیدگی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنی فکر کو حدود کا شکار نہیں ہونے دیتے۔ قدیم اور آنے والے وقتوں کو وہ اپنی شاعری اور تنقید میں تہہ بہ تہہ مضمر کرتے چلے گئے ہیں۔ ان تہوں کو کھولنا نئے عقدوں کو وا کرنا ہے۔ سحر انصاری نے اسی طرح توجہ دلائی ہے کہ عزیز حامد مدنی کی شاعری میں مختلف انواع و اقسام جو روایت اور ابھرتی ہوئیں نئی صدیوں سے مستعار لی گئی ہیں کا بہت شور و غل ہے۔ اس وجہ سے انہیں سمجھنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ وہ خود بھی روایت اور عصری تقاضوں سے متعلق اسی قسم کی بات کرتے ہیں:۔

یہ بڑھت بھی ہے اور روایت سے وابستگی بھی۔ ہر چند کہ اسلوب کی الگ بحث نہیں آ رہی ہے وہ بھی روایت کا لازمی حصہ ہے مگر وہ اسالیب جو غالب اور جوش کے یہاں ہیں ان میں متحرک قوت ہے۔ ہر دور میں زور اس بات پر ہے کہ شاعر عصری تقاضوں کو اپنے کلام میں جگہ دیتا ہے تو روایات زندہ رہتی ہیں۔ لب و لہجے کا فرق، ترکیب الفاظ، تشبیہیں اور استعارے روایات کے بطن سے پیدا ہو کر ایک متحرک قوت بن جاتے ہیں۔ جس شاعری میں عصری تقاضے بنیادی نہیں ہوتے وہ روایت کی جامد مثال ہوتی ہے۔ یہ سوچنے کی بات ہے کہ پتھر تک اپنے اندر نئی تہیں پیدا کرتا رہتا ہے تو انسانی ذہن کیسے ساکت رہ سکتا ہے۔[۱۰]

عزیز حامد مدنی نے جدید شاعری کے لئے یہ اصول دیگر شعرا ہی کے لئے نہیں کیا، بلکہ اس اصول کی انہوں نے خود بھی بڑی سختی سے پابندی کی ہے۔ دشتِ امکاں اس پابندی کی واضح مثال ہے۔ اس میں روایت کے ساتھ ساتھ جدیدیت کھل کے سانس لیتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ یہ نیا پن ۶۰ء کی دہائی کے دیگر شعرا میں تو ہونے کے برابر ہے۔ نیا پن، ایک دم سمجھ میں نہیں آتا اس کے لئے وقت، مشاہدا اور مطالعہ درکار ہے۔ اور اس سے بڑھ کر سیاحت

درکار ہے۔ جاذب قریشی لکھتے ہیں:

> عزیز حامد مدنی صاحب نے کہا تھا کہ وہ جدید عہد کو سائنس اور ٹیکنالوجی کے بغیر سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ تو یہ بات ان کی اس شاعری میں بھرپور صداقتوں کا اظہار کرتی ہے۔ وہ انسانی زخموں کو خارجی اشیاء کے اثرات سے الگ کر کے نہیں دیکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس شاعری میں نہ صرف انسان زندہ نظر آتا ہے بلکہ بڑے شہر کی صنعتی سماجیات میں، سڑکیں، بازار، لوگ، گلیاں، بسیں، ٹرام، پوسٹرز، آپریشن تھیٹر، پٹرول پمپ، ہوٹل، بے خواب اسٹیشن اور گھر کے در و دیوار تک نامیاتی حرکی صورت اختیار کر گئے ہیں۔ یہاں مدنی صاحب کی علامتیں اور ان کی امیجز توانا تر، تازہ تر اور جدید تر ہیں کہ کسی دوسرے شاعر کے یہاں دکھائی نہیں دیتیں۔[11]

عزیز حامد مدنی کی شاعری اور تنقید میں، یورپ میں ہونے والی نت نئی ایجادات کا درآنا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ وہ شعر و ادب کو مقامیت سے آزاد رکھنا چاہتے ہیں اور وہ انسانی ذہنوں کو آسمانی وسعتوں کے آئینے میں دیکھتے ہیں۔ آسماں سے زمین کی کوئی شے بھی پوشیدہ نہیں اس طرح زمین و آسمان کی کوئی شے انسانی طاقت سے دور نہیں۔ لمحہ بہ لمحہ ہر شے اس پر آشکارا ہوتی چلی جارہی ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اشیاء کی نو بہ نو آشکارائی سے خیال و فکر کو بچایا جاسکے بلکہ سب سے پہلے انہی پر ان کی زد پڑنی ہے۔ ۶۰ کی دہائی سے اس زد میں شدت آچکی تھی جو ہر آن تیز سے تیز ہوتی چلی جارہی ہے اس زد کو محسوس کرنے والوں ہی کو انہوں نے تازہ حسیت کا حامل کہا ہے۔ اور جب یہ بات انہوں نے دوسروں کی شاعری میں دریافت کر لی تو ضروری ہے کہ ان کی تخلیقات میں بھی اس بات کی اثر پذیر ہوتی، جو کہ موجود ہے اسی وجہ سے عزیز حامد مدنی صاحبؔ نہ صرف بیسویں صدی کے ممتاز شاعر ہیں بلکہ اکیسویں ویں صدی کے لیے بھی ان کے پاس کثیر بشارتیں ہیں۔ ارمان نجمی لکھتے ہیں۔

> عزیز حامد مدنی نے (۱۹۶۰ء کی دہائی میں) اس وقت جدید نظمیں لکھیں جب جدیدیت کا غلغلہ بلند نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے کئی ایسے موضوعات سے رشتہ قائم کیا جو ناشنیدہ تھے مگر جن کے ذریعے ان کی حسیت، عصری مسائل کا احاطہ کامیابی سے کر رہی تھی۔ انہوں نے شعری وجدان کو سائنسی اور نئے انکشافات سے ہم آہنگ کرنے کی جانب پیش قدمی کی (اس سلسلے میں انہیں مجید امجد اور وزیر آغا پر اولیت حاصل ہے) اور نئی لفظیات سے مملو ایک نیا اسلوب بروئے کار لاکر، اپنی صناعی کی بدولت نظم کو ایک نامیاتی و حدت کے سانچے میں ڈھالنے میں کامیابی حاصل کی۔ فیضؔ کے برعکس مدنی کے یہاں مضامین کا تنوع بار بار ان کے فکری تجسس کی نشاندہی کرتا ہے۔ زبان پر مکمل عبور نے انہیں نئی نئی ترکیبوں کے اختراع سے اظہار میں ایسی قدرت بخشی جو انہیں صفِ اول کے نظم نگاروں کے مابین لا کھڑا کرتی ہے۔[12]

عزیز حامد مدنی کے فکر و خیال سے اس جیتی جاگتی دنیا کے متعلق نئے نئے انکشافات ہی انہیں ۲۰ ویں صدی سے زیادہ اکیسویں صدی کے جدید تر شعرا کی صف میں لا کھڑا کرتے ہیں۔ اردو شعر و ادب کے گہرے مطالعے ہی سے انہیں یہ فن ملا۔ دو تین صدیوں کے ادب کے مطالعہ نے ان پر، اور انہوں نے اردو شعر ادب پر نئے نئے علوم و فنون کے در وا کیے۔ عزیز حامد مدنی نے انہی علوم و فنون سے اپنے فکر و خیال کو مزین کیا، اس کے ساتھ ساتھ مغربی تحاریک اور شعر و ادب سے وہ پے بہ پے آگہی کا ذوق رکھتے تھے۔ اپنی سرحدوں سے نکل کر ہی دوسری تہذیبوں کا پتہ چلتا ہے ،علم کے ساتھ ساتھ سیاحت کے مزے نیا نہیں تر و تازہ رکھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اردو شعر و ادب کو بھی نئی تازگی بخشی۔ دنیا میں رونما ہونے والی روز و شب کی تبدیلیاں، دنیا کے دوسرے دور دراز ملکوں میں از خود اُڑ کے نہیں پہنچ جاتیں ان تبدیلیوں، انکشافوں کو بڑی ذمہ داری کے ساتھ لانا پڑتا ہے اور یہ کام عزیز حامد مدنی نے بخوبی بڑی ذمہ داری کے ساتھ سرانجام دیا۔

حوالہ جات

۱۔ وزیر آغا ڈاکٹر، نئے مقالات، جمہوری پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص۔ ۱۴۸

۲۔ عزیز حامد مدنی، جدید اردو شاعری، حصہ اول، انجمن ترقی اردو، کراچی ۔ ۱۹۹۰ء، ص ۱۳۸

۳۔ عزیز حامد مدنی، جدید اردو شاعری، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۱۹۹۰ء، ص ۳۶

۴۔ انور سدید ڈاکٹر، جدید نظم کے ارباب اربعہ، مقبول اکیڈمی اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص۔ ۶۷

۵۔ جمیل الدین عالی، حرف چند، مشمولہ، جدید اردو شاعری، جلد دوم، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۱۹۹۴ء، ص۔ ۸

۶۔ قمر جمیل، جدید ادب کی سرحدیں، جلد دوم، مکتبہ دریافت، کراچی، فروری ۲۰۰۰ء، ص ۲۲۹

۷۔ شرف الدین ساحل ڈاکٹر، عزیز حامد مدنی، ایٹمی دھماکے سے سہما ہوا شاعر، مشمولہ، چشمۂ اردو، چھتیس گڑھ، مارچ ۲۰۱۱ء، ص، ۵۵

۸۔ شمیم احمد، عزیز حامد مدنی کی شاعری میری نظر میں، ادبیات شمارہ ۱۴، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء، ص، ۲۵۸

۹۔ سحر انصاری، جدید اردو شاعری: ایک عہد آفریں کتاب، مشمولہ، افکار، مکتبہ افکار، کراچی، مارچ ۱۹۹۱ء، ص۔ ۳۱)

۱۰۔ عزیز حامد مدنی، جدید اردو شاعری، حصہ دوم، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۱۹۹۴ء، ص، ۴۰

۱۱۔ جاذب قریشی، آنکھ اور چراغ، مکتبہ کامران، کراچی، ۱۹۸۶ء، ص۔ ۱۹

۱۲۔ ارمان نجمی، وزیر آغا کی نظم نگاری، مشمولہ، مگر ہم عمر بھر پیدل چلے ہیں، کاغذی پیرہن، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص۔ ۱۳۹